مہذب معاشرے میں رواداری اور شیریں زبانی لازمی

خواجہ عبدالمنتقم

جائزہ

دنیا کے تقریباً تمام ممالک کے دساتیر اور ان کے تحت بنائے گئے مختلف قوانین و اقوام متحدہ کے انسانی حقوق سے متعلق تمام بین الاقوامی دستاویزات جیسے انسانی حقوق کا عالمگیر اعلامیہ، شہری، سیاسی، معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق سے متعلق منشور، اقوام متحدہ کا چارٹر و دیگر بین الاقوامی دستاویزات میں مذہب کی آزادی اور ثقافت کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے یا ان کا التزام ہے۔ ایسی ضمانت نہ صرف جمہوری ممالک میں بلکہ ایسے ممالک میں بھی دی گئی ہے جہاں نام نہاد جمہوری نظام ہے یا مذہبی حکومت ہے لیکن ان تمام اقدام کے باوجود آج بھی کہیں کہیں مذہبی رواداری میں کمی محسوس ہوتی ہے اور ایک مذہب کے ماننے والوں کا دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ باہمی میل جول میں اتنا مثبت ربط نظر نہیں آتا جتنا کہ ہونا چاہیے۔ آج بھی بہت سے معمولی تنازعات فرقہ وارانہ رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ محض دستور یا دیگر قوانین میں مذہبی آزادی دینا کافی نہیں ہے بلکہ ایسا ماحول پیدا کرنے کی بھی ضرورت ہے جہاں ایک مذہب کے ماننے والے لوگ دوسرے مذاہب کے ماننے والے لوگوں کا دل سے احترام کریں، ان کے یا ان کے مذہب یا عقیدے کے خلاف نہ کوئی ایسی بات کہیں اور نہ ایسا کوئی کام کریں جس سے ان کے جذبات مجروح ہوں۔ کسی بھی مہذب اور غیر مہذب ملک کے درمیان کوئی امتیازی لکیر کھینچنی ہو تو بلاشبہ وہ اس بنیاد پر کھینچی جاسکتی ہے کہ وہاں لوگوں کو صحیح معنوں میں کتنی مذہبی آزادی حاصل ہے اور وہاں کسی کے مذہب اور عقیدے کا کس حدتک احترام کیا جاتا ہے۔ صحیح معنوں میں مہذب ملک یا مہذب قوم وہی ہے جہاں نہ صرف مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی ہو بلکہ عملاً ایسا کیا جارہا ہو اور کسی بھی شخص کو اس معاملے میں احساس تفریق یا احساس امتیاز نہ ہو۔ جب بھی مذہبی رواداری کی بات ہوتی ہے تو محض اقلیتوں کی بات کی جاتی ہے، دراصل ہر فرقے بلکہ ہر فرد کا، خواہ اس کا تعلق اقلیتی فرقے سے ہو یا اکثریتی فرقے سے، یہ فرض ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مذہب کا مکمل احترام کرے۔

دنیا کے دیگر قانونی اور اخلاقی اعتبار سے ترقی یافتہ ممالک کی طرح بھارت میں بھی نہ صرف اس کے آئین میں بلکہ دیگر قوانین میں مذہبی آزادی کے ساتھ ساتھ مذہبی رواداری کو بھی بہت اہمیت دی گئی ہے اور ہر بھارتی کو اس بات کے لیے ممانعت کی گئی ہے کہ وہ کوئی بھی ایسا کام نہ کرے جس سے کسی کے مذہبی جذبات مجروح ہوں۔ تعزیرات ہند کی جگہ لایا جانے والا بھارتیہ نیائے سنہتا، جو یکم جولائی، 2024 سے نافذ العمل ہوگا، اس میں بھی تعزیرات ہند کی طرز پر دفعات 298 تا 300 شامل کر کے اس بات کو یقینی بنایا گیا ہے کہ کوئی بھی شخص کسی بھی عبادت گاہ کو نقصان نہ پہنچائے اور اسے ناپاک نہ کرے، کسی بھی مذہبی مجمع میں خلل نہ ڈالے اور جان بوجھ کر بدنیتی سے ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے کسی کے جذبات مجروح ہوں یا کسی مذہب کی توہین ہوں۔ لیکن اس سب کے باوجود کبھی کبھی جذبات کی رو میں بہہ کر کچھ ذمہ دار لوگ بھی کسی مخصوص طبقے کی بابت ایسی دلخراش بات کہہ دیتے ہیں یا ایسے بیان دے دیتے ہیں یا ایسے نازیبا کلمات استعمال کر دیے جاتے ہیں یا ایسے مضامین تحریر فرما دیے جاتے ہیں جن سے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے جذبات مجروح ہو جاتے ہیں اور معاشرے میں انتشاری کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ کبھی کچھ لوگ کسی عبادت گاہ کو یا کسی ایسی شے کو، جسے کسی فرقے کے لوگ مقدس مانتے ہوں، نقصان پہنچانے یا جان بوجھ کر ایسا کوئی قبیح فعل انجام دے دیتے ہیں جس سے فریق ثانی کی دل آزاری ہو یا کبھی کبھی کسی سیاسی فائدے کے لیے کوئی ایسی بات کہہ دیتے ہیں جس سے انہیں اپنی کسی غرض کو پورا کرنے میں مدد ملے جبکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ آئینی یا قانونی اقدامات سے زیادہ سوچ اور انداز فکر میں تبدیلی لائی جائے۔ ہر شخص کا یہ فرض ہے اور ہر شخص کو یہ تعلیم دی جانی چاہیے اور یہ بتایا جانا چاہیے کہ وہ ایسا کوئی کام نہ کرے اور نہ کوئی ایسی حرکت کرے اور نہ ہی ایسی کوئی بات کہے جس سے کسی کے جذبات مجروح ہوں۔ یہ پیغام ہر گھر تک پہنچنا چاہیے۔ اس کام میں سرکاری اداروں کے ساتھ ساتھ عوام کی شرکت بھی اشد ضروری ہے۔ کسی بھی مہذب سماج میں مذہبی منافرت کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر مذہب کے نام پر کسی بھی شخص کو کسی بھی حق سے محروم کیا جاتا ہو یا اس کے ساتھ کوئی امتیاز برتا جاتا ہو تو اس تفریقی ماحول میں کوئی بھی ملک یا کوئی بھی قوم یہ دعویٰ نہیں کرسکتی کہ وہ اقوام متحدہ کے اصولوں اور بین الاقوامی اقدار کا احترام کر رہی ہے۔ امتیاز سے پاک وصاف معاشرے میں ہی لوگوں کے مابین صحیح میل جول اور حقیقی محبت پروان چڑھ سکتی ہے۔ یہی جذبہ اتحاد چھوٹے سے چھوٹے ملک کو ایک عظیم مملکت کا مرتبہ دلا سکتا ہے۔ کسی بھی مذہب کی تنقید برائے تنقید کا کوئی جواز نہیں، ہم سب کا یہ فرض ہے کہ ہم ہر مذہب کی اچھی باتوں کی طرف نظر ڈالیں اور کبھی بھی اس بات کی کوشش نہ کریں کہ کسی مذہب میں عیب نکالیں۔ ضرورت مباحثے یا موازنے کی نہیں ہے بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام مذاہب کے پیشوا، رہنما اور پیروکار ایک جگہ اکٹھے ہوں اور ایک ایسا لائحہ عمل تیار کریں جس سے تمام مذاہب کے درمیان یگانگت پیدا ہو اور باہمی رواداری و یکجہتی کی راہ ہموار ہو۔ اگر لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر نہیں رہیں گے اور انسانی حقوق کا احترام نہیں کریں گے تو اس دنیا کو ایک گلوبل ولیج کہنا بے معنی ہوگا۔

مذہبی رواداری کے معاملے میں تعلیمی اداروں اور اساتذہ کو بھی مثبت کردار ادا کرنا ہوگا۔ اساتذہ کو چاہیے کہ وہ طلبا کو تمام مذاہب کی اچھی باتوں سے روشناس کرائیں اور انہیں تنازعاتی امور سے دور رکھیں تاکہ وہ کل کے اچھے شہری بنیں اور ایک صحت مند معاشرے کی تشکیل کریں۔ کسی بھی طالب علم کے دماغ میں کسی بھی مذہب یا فرقے کے خلاف کوئی بات ڈالنا اس کے صحت مند فروغ اور نشوونما میں رکاوٹ پیدا کرنے کے مترادف ہے کیونکہ امتیازی انداز فکر کبھی بھی صحت مند معاشرے کو جنم نہیں دے سکتا اور یہاں تک کہ صحت مند معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔ نئی نسل کسی ملک کی اسی طرح بنیاد ہوتی ہے جس طرح کسی عمارت کی بنیاد۔ اگر بنیاد کمزور ہو تو عمارت کبھی مضبوط نہیں ہوسکتی۔

اس کے علاوہ جب بھی ناگہانی حالات ہوں مثلاً جنگی حالات، قدرتی آفات وغیرہ تو سب اپنے مذہب اور عقائد کا احترام کرتے ہوئے اور ساتھ ہی دوسرے مذاہب کے لوگوں کے جذبات مجروح کیے بغیر صرف قومی ضرورت اور قومی جذبے وحب الوطنی کو سامنے رکھتے ہوئے اپنا فرض ادا کریں اور اپنی کسی بھی امدادی کارروائی میں کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ یہ کام عوام الناس کے لیے نہیں بلکہ کسی فرقے کے لیے کر رہے ہیں۔

(مضمون نگار ماہر قانون، آزاد صحافی، مصنف، سابق بیوروکریٹ و بین الاقوامی ادارہ برائے انسانی حقوق سوسائٹی کے تاحیات رکن ہیں)

amkhwaja2007@yahoo.co.in

> **مذہبی رواداری کے معاملے میں تعلیمی اداروں اور اساتذہ کو بھی مثبت کردار ادا کرنا ہوگا۔ اساتذہ کو چاہیے کہ وہ طلبا کو تمام مذاہب کی اچھی باتوں سے روشناس کرائیں اور انہیں تنازعاتی امور سے دور رکھیں تاکہ وہ کل کے اچھے شہری بنیں اور ایک صحت مند معاشرے کی تشکیل کریں۔ کسی بھی طالب علم کے دماغ میں کسی بھی مذہب یا فرقے کے خلاف کوئی بات ڈالنا اس کے صحت مند فروغ اور نشوونما میں رکاوٹ پیدا کرنے کے مترادف ہے کیونکہ امتیازی انداز فکر کبھی بھی صحت مند معاشرے کو جنم نہیں دے سکتا۔**

اقوال زرّیں

حضرت عثمان غنیؓ

- ☐ جس نے کسی کی غیبت سنی گویا اس نے خود غیبت کی۔
- ☐ حقیر سے حقیر پیشہ ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے۔
- ☐ جس شخص نے انسانوں کا حق نہیں پہچانا اس نے خدا کا حق نہیں پہچانا۔

روزنامہ راشٹریہ سہارا
ROZNAMA RASHTRIYA SAHARA NEW DELHI

غیر ذمہ دارانہ ریمارکس

انتخابی

جلسوں میں سیاسی جماعتوں کے لیڈران کے ذریعہ جاری کیے گئے بیانات بے حد اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، خاص کر اس وقت جب ملک کا کوئی اہم عہدہ پر بیٹھا شخص کوئی بات کہہ رہا ہو۔ اس پر ملک ہی کیا دنیا بھر کی نگاہیں مرکوز ہوتی ہیں۔ وزیراعظم مودی کے ذریعہ راجستھان کے بانسواڑہ میں کانگریس اور مسلمانوں کے حوالے سے جو کچھ کہا گیا اس سے ملک کے عوام مبہوت ہیں۔ چونکہ مسٹر مودی صرف ایک پارٹی کے سربراہ ہی نہیں بلکہ وہ ملک کے وزارت عظمیٰ جیسے ایک ذمہ دار عہدہ پر فائز ہیں اور اس کا پاس ولحاظ رکھنا ان کی ذمہ داری بنتی ہے۔ ایسے میں ان کی تقریر نے ملک کے ہر اس شخص کو حیرت میں ڈال دیا ہے جو تھوڑا سا بھی ملک کے جمہوری نظام اور سیکولر سسٹم میں یقین رکھتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ متنازع بیانات صرف بی جے پی کی جانب سے سامنے آتے ہیں کانگریس بھی اس میں کم پیچھے نہیں ہے اور راہل گاندھی بھی اپنے زبانی حملوں سے اکثر و بیشتر وزیراعظم پر براہ راست حملہ آور نظر آتے ہیں، لیکن فی الوقت بی جے پی قیادت اپنے بیان سے بیک فٹ پر کھڑی ہے اور کانگریس کو بی جے پی کی گھیرابندی کرنے کو نیا موقع مل ہاتھ لگ گیا ہے۔ دراصل وزیراعظم مودی کے تازہ بیان سے لوگ اس سوچ میں پڑ گئے کہ بھلا اس سے پہلے منموہن سنگھ کی حکومت جو کہ دس سال رہی، کانگریس نے کتنے مسلمانوں کو نوکریاں دے ڈالیں، دلتوں کا ریزرویشن ختم کر کے اس کا حصہ مسلمانوں کو کب سونپ دیا، خواتین کے سونے کا حساب کتاب کتنی بار لیا گیا یا پھر عام اکثریت کی جائیداد کتنے مسلمانوں کو چھین کر دے دی گئی؟ لیکن کسی کو ان سوالوں کا نہ تو جواب مل رہا ہے نہ ہی وہ اس طرح کے بھونڈے الزامات اور اشتعال انگیز بیان سے خود کو مطمئن کر پا رہے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حزب اختلاف کی پارٹیاں اور سیکولر تنظیمیں بھی مودی کے ریمارکس کو ملک کے لیے خطرہ بتا رہی ہیں۔ انڈین نیشنل کانگریس میں اس متنازع بیان پر سخت ناراضگی ہے اور کانگریس قیادت نے ایکشن لینے کے لیے الیکشن کمیشن کا دروازہ کھٹکھٹایا ہے۔ اب یہ چیف الیکشن کمیشن کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس معاملے میں اپنا کیسا رول ادا کرتا ہے۔ حالانکہ الیکشن کمیشن نے مودی کے خلاف کانگریس کی شکایت کا نوٹس لیتے ہوئے یہ یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ اپنی سطح پر چھان بین کرے گا اور اپنے وعدے پر عمل کرتے ہوئے آج اس نے جانچ پڑتال شروع بھی کر دی ہے، لیکن کمیشن کی جانچ کتنی غیر جانبدارانہ اور منصفانہ ہوگی، آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ کیا یہ انتخابی ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی نہیں؟

دراصل، اس وقت ملک ایک بڑے امتحان سے گزر رہا ہے۔ غریب طبقہ معاشی بدحالی کا شکار ہے تو عام لوگ مہنگائی کی مار جھیل رہے ہیں۔ نوجوان گزشتہ دس سالوں سے نوکریوں کے مواقع دیے جانے کا منتظر ہے تو کسان اپنے حق کی لڑائی لڑ رہے ہیں اور کشکول ہاتھ میں لیے سڑکوں پر بیٹھے ہیں۔ گزشتہ دس سال میں لوگ معاشی بدحالی کو دور کرنے اور پندرہ پندرہ لاکھ دینے کے مودی حکومت کے وعدے کو بھولے نہیں ہیں۔ لیکن اس پر عمل کرنے کے بجائے ملک کے دو بڑے طبقات کے درمیان مذہبی کھائی کو اتنا گہرا کر دیا گیا ہے کہ معمولی چنگاری کو شعلہ بننے میں دیر نہیں لگتی۔ نفرت کی جو خلیج پیدا کی گئی، اس کو مزید گہرا کیا جاتا رہا۔ وزیراعظم مودی کو چاہیے تھا کہ وہ اپنی انتخابی تقاریر میں ملک کو ترقی کی بلندی پر پہنچانے اور ایک دوسرے کو جوڑنے والا بیان دے کر بہترین قائد کا رول ادا کرتے۔ کسانوں سے ان کے مسائل پر بات کرتے، نوجوانوں سے روزگار دینے اور عوام سے مہنگائی، غریبوں سے ان کی بدحالی اور بھکمری کو دور کرنے کا وعدہ کرتے۔ لیکن شاید وزیراعظم بھول گئے کہ جمہوری ریاست میں کوئی حکومت عوام کے ذریعہ منتخب ہوتی ہے۔ اس میں عوام کسی پارٹی کو اس کے تعلیمی، طبی، فلاحی، سوشل اور اسٹریٹیجک کاموں کی بنیاد پر حکومت سازی کا موقع دیتے ہیں اور اس حکومت پر عوامی مسائل کو حل کرنے کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ یہ کیوں بھلا دیا جاتا ہے کہ عوام کو فرقہ وارانہ خطوط پر تقسیم کرنے کا کام ایک ایماندار سیاسی پارٹی کا نہیں ہوسکتا بلکہ وہ ترقیاتی کاموں کے بل بوتے پر حکومت کی تشکیل کرتی ہے۔

بہرکیف کمیونل بیانات ملک کے لیے کبھی سود مند ثابت نہیں ہوسکتے۔ سیاسی جماعتوں کے لیڈروں کو متنازع بیانات سے بچنا چاہئے اور اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا چاہئے۔ خواہ وہ کانگریس ہو یا بی جے پی۔ کہا جارہا ہے کہ موجودہ عام الیکشن کے دوران اشتعال انگیز بیانات بی جے پی کی مجبوری ہیں کیونکہ وہ اپنی زمینی حالت کو بھانپ گئی ہے۔

edit2sahara@gmail.com

”یہ کیسا پیغام؟“

زین شمسی

بازگشت

نجیب جنگ کا انٹرویو دیکھ رہا تھا۔ بہت مایوس کن انداز میں بھارت کے حالات اور سیاست کے میدان کے وشوگرو عزت مآب نریندر مودی صاحب کی اس تقریر کا ذکر کر رہے تھے جس میں انہوں نے مائنارٹی خاص کر مسلمانوں کو بھارت میں گھس پیٹھیا یعنی دراندازی کرنے والا بتایا ہے۔ وہ اس بات کا بھی ذکر کر رہے تھے کہ کسی ملک کے وزیراعظم کے منہ سے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ وہ یہ کہیں کہ مسلمان زیادہ بچے پیدا کرنے والی قوم ہے۔ وزیراعظم نے شاید یہ بات اپنی سیاسی مہم کے دوران راجستھان میں کہی۔ ظاہر ہے کہ پرائم منسٹر کے بہت زیادہ فالوور ہیں۔ کروڑوں کی تعداد میں لوگ انہیں یشسوی پردھان منتری گردانتے ہیں اور بہت تو ایسے ہیں جو ان کا موازنہ بھگوان سے بھی کرتے ہیں۔ ان کی زبان سے نکلی ہوئی کسی بات کو ان کا حکم تسلیم کرتے ہیں۔ خواہ تھالی بجانے والی بات ہو یا گھنٹی بجانے والی بات۔ ایک بار مودی جی نے جو کہہ دیا، وہی بھارت دیش کے بیشتر لوگ سچ مانتے ہیں۔ ایسے میں وزیراعظم نے جب یہ کہہ دیا کہ بھارت میں رہنے والے مسلمان گھس پیٹھیا ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ پیغام کروڑوں لوگوں تک پہنچ گیا۔ اس پیغام کے ردعمل میں ہوسکتا ہے کہ راجستھان کے الیکشن میں بی جے پی کو جیت نصیب ہو جائے اور حکومت بھی بی جے پی کی بن جائے مگر اس پیغام کے جو نتائج ہوں گے کیا پرائم منسٹر کو اس کا اندازہ نہیں ہے؟ کیا صرف الیکشن میں جیت درج کرنے کے لیے بھارت کے سیکولر ڈھانچے کو شکست دینا ضروری ہے؟ کیا سیاست بے اصول ہوتی ہے، اس کے کوئی ضابطے نہیں ہوتے، قاعدے نہیں ہوتے اور اگر ہوتے ہیں تو وزیراعظم اس سے بے خبر تو نہیں رہ سکتے؟ پھر اس طرح کا بیان دیش کی صحت کے لیے کیا مفید ہے؟ سماج کے لیے ضروری ہے؟

بھارت ایک سمندر کی طرح ہے۔ بہت ساری مشکلات اور پریشانیوں سے نبرد آزما ہو کر بھی وہ اپنی رفتار نہیں بھولتا۔ ایسے بیانات بھارت کی ہم آہنگی، بھائی چارگی کو زخمی کرتے ہیں لیکن نہیں بھولنا چاہیے کہ حالات خواہ کتنے بھی خراب ہوں، ملک کا آئینی ڈھانچہ اسے گرنے نہیں دے سکتا۔

دراصل جانے انجانے میں نریندر مودی صاحب نے اپنے اس بیان سے ملک کے ان محبّ وطن مسلمانوں کی توہین کر دی ہے جنہوں نے جناح کے لبھاؤنے سپنے کی فکر نہ کرتے ہوئے بھارت کو ہی اپنا اصل مسکن مانا تھا۔ انہوں نے ان مسلمانوں کی بھی توہین کر دی جنہوں نے بھارت کی آزادی کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ اپنے بچے اور اپنے رشتہ داروں کو کھویا۔ انہوں نے اشفاق اللہ، کیپٹن حمید، ذاکر حسین، اے پی جے عبدالکلام وغیرہ کو بھی اسی دائرہ میں لا کھڑا کیا۔

سیاست ایک سی نہیں ہوتی، یہ اپنا رنگ بدلتی ہے۔ اپنا بستر بدلتی ہے۔ لیکن سماج کا تانا بانا برسوں کی کاوشوں، تجربوں، مشاہدوں اور خدمات و احساسات کے خمیر سے بنا ہوتا ہے۔ اس پر ضرب کاری اسے مضحل تو کرتی ہے لیکن اسے فنا نہیں کرسکتی۔ ملک کا یہی مشترکہ کلچر ہے جو یہ بتاتا ہے کہ

یونان، مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی، نام و نشاں ہمارا

تو اس نام ونشان کو بہت آسانی کے ساتھ مٹایا نہیں جاسکتا۔ اس کے نام بدلے جاسکتے ہیں۔ شہروں، اسٹیشنوں کے نام تبدیل کیے جاسکتے ہیں مگر ان شہروں اور اسٹیشنوں پر موجود عوام کے دلوں کو یکلخت بدل دینا ناممکن ہی ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ بی جے پی کے بڑے بڑے رہنما، ترجمان اور دانشوران ایسی بات کہیں تو اس کے ردعمل میں کئی لوگ سامنے آجاتے ہیں اور سوالوں کی گردن مروڑ دی جاتی ہے مگر جب وزیراعظم ایسی بات کریں تو پھر اس طرح کی تقریر کا بہت زیادہ منفی اثر ہونے کا خطرہ ہے۔ یوں تو ملک کے جو حالات ہیں وہ کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں، مگر انتخابات کی لے میں اگر قابل اعتراض جملوں کا استعمال ہوتا ہے تو الیکشن کمیشن اس پر اعتراض درج کرتا ہے۔ مگر کیا الیکشن کمیشن کو اتنی جرأت ہے کہ وہ وزیراعظم کے منہ سے نکلی ہوئی آواز پر کسی طرح کا ردعمل دے۔ یوں ہی بھارت کے آئینی ڈھانچہ کے تحت قائم کی گئی ایجنسیاں گزشتہ کئی برسوں سے عنان حکومت کے سامنے خودسپردگی کا مظاہرہ کر چکی ہیں۔ یہاں تک کہ عدلیہ کے فیصلہ پر بھی انگلیاں اٹھنے لگی ہیں۔ ای ڈی، سی بی آئی اور دیگر ایجنسیاں حکومت کے حق میں کتنے بے جا فیصلے سنا چکی ہیں اور سب سے خطرناک کام تو قومی دھارہ میں شامل ہندوستانی میڈیا نے کر دیا ہے، جس نے نفرت کو عام کرنے کا جو بیڑہ اٹھایا، اس نے صحافت کا بیڑہ ہی غرق کر دیا۔

مظالم کی ستائش کا دور حیرت انگیز کر دینے والا ہے۔ ماب لنچنگ، گائے کے نام پر قتل عام، بلڈوزر کلچر، انکاؤنٹر پر رقص، اذان، نماز، حجاب پر ٹی وی پر مباحث کا رویہ اور اس کے نتیجے میں سرعام قتل ہندوستانی معاشرہ میں ایک عام سی بات ہو کر رہ گئی ہے۔ اسلاموفوبیا کا یہ عالم ہوگیا ہے کہ بات محمد مصطفیؐ کی اہانت تک پہنچ گئی۔ اتنے سارے واقعات و حوادث کے باوجود وزیراعظم نریندر مودی صاحب خاموش رہے۔ جس سے سماج دشمنوں کو یہ سمجھتے دیر نہیں لگی کہ حکومت غنڈہ گردی کی خاموش حمایتی ہے۔ جرائم کو صرف اس لیے سراہا گیا کہ مرنے والا یا جیل جانے والا مسلمان ہے۔

وزیراعظم کا یہ بیان واقعی شرمندہ کر دینے والا ہے اور یہ بیان اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ اب تک جو کچھ بھی ہوا، وہ کبھی نہیں ہوتا اگر نریندر مودی صاحب اپنی زبان کھولتے اور جب انہوں نے زبان کھولی تو ماجرا ہی نیا تھا۔

(مضمون نگار سینئر صحافی ہیں)

drzainshamsi@gmail.com

> **سیاست ایک سی نہیں ہوتی، یہ اپنا رنگ بدلتی ہے۔ اپنا بستر بدلتی ہے۔ لیکن سماج کا تانا بانا برسوں کی کاوشوں، تجربوں، مشاہدوں اور خدمات و احساسات کے خمیر سے بنا ہوتا ہے۔ اس پر ضرب کاری اسے مضحل تو کرتی ہے لیکن اسے فنا نہیں کرسکتی۔ ملک کا یہی مشترکہ کلچر ہے... اس نام ونشان کو بہت آسانی کے ساتھ مٹایا نہیں جاسکتا۔ اس کے نام بدلے جاسکتے ہیں۔ شہروں، اسٹیشنوں کے نام تبدیل کیے جاسکتے ہیں مگر ان شہروں اور اسٹیشنوں پر موجود عوام کے دلوں کو یکلخت بدل دینا ناممکن ہی ہے۔**

مراسلہ نگار کی رائے سے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

مکرمی!

اداراتی صفحہ پر جناب علی خان محمود آباد کے بعنوان 'مسلمان خاص برتاؤ کا نہیں، دستور کے مطابق جائز حقوق کا متمنی' مضمون سے اتفاق رکھتے ہوئے عرض ہے کہ آئین کے مطابق بلاتفریق مذہب وملت، نسل وذات، رنگ و زبان اور علاقائیت وپوشاک، سماج کے ہر طبقہ کو مساوی آزادی وحقوق حاصل ہیں۔ تاہم ستم ظریفی حالات یہ ہے کہ اگر کوئی سیاسی جماعت مسلم طبقہ کی اس زبوں حالی کے مدنظر، ان کے مفادات اور بہتری کے حق میں کوئی اقدام کرنا بھی چاہے تو اس پر سیاسی حریف جماعتیں مسلمانوں کی منھ بھرائی کا الزام عائد کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتی ہیں۔ لہٰذا بیچارے مسلمان ہر شعبۂ حیات میں اپنے دیگر ہم وطن برادران کے مقابلہ میں پست رہ جاتے ہیں اور عرصہ دراز سے یہ سلسلہ متواتر جاری ہے۔ بھلا اس حقیقت سے میڈیا سے بہتر کون واقف ہے۔ موصوف قلمکار کا موقف حق بجانب ہے کہ مسلمان اپنے دیگر ہم وطنوں کی مانند جائز اور یکساں مواقع کے خواہاں ہیں نہ کہ کسی مخصوص رعایت و برتاؤ کے۔

وہیں دوسری جانب اداریہ 'کانگریس، مسلمان، درانداز اور منگل سوتر' میں اظہار تشویش حق بجانب ہے کیونکہ دوران انتخابات نیز مثالی انتخابی ضابطہ اخلاق کے نفاذ کے باوجود، کسی اقلیتی طبقہ کے متعلق اذیت رساں کلمات پر مبنی اظہار خیال برسراقتدار جماعت کے کسی بھی لیڈر اور خصوصاً ملک کے وزیراعظم جیسے گراں قدر عہدے سے، قطعی غیر متوقع ہے۔ مزید وہ بی جے پی کے خود اپنے ہی نعرے 'سب کا ساتھ، سب کا وکاس، سب کا وشواس' کی نفی وتضاد ہے۔ مزید حیران کن اس پر الیکشن کمیشن کی خاموشی ہے اور اس ضمن میں کسی از خودنوٹس کی خبر بھی نہیں، حالانکہ اس متنازعہ بیان کے خلاف مختلف سیاسی حلقوں سے سرکردہ شخصیات و لیڈران اظہار افسوس کر رہے ہیں۔ موجودہ حالات میں مولانا حسرت موہانی کا مشہور زمانہ شعر موزوں نظر آتا ہے:

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اظہر علی خاں – شرافت منزل، کوتوالان، رامپور-1

کانگریسی حکومت میں منگل سوتر نہیں چھینا گیا

مکرمی!

کانگریس کی جنرل سکریٹری پرینکا گاندھی نے وزیراعظم نریندر مودی کے ذریعے دیے گئے متنازع بیان کی مخالفت کرتے ہوئے مُلک کی ہندو عورتوں سے سوال پوچھا ہے کہ ہندوستان میں 55 سالوں تک کانگریس پارٹی کی حکومت رہی ہے، کیا کسی نے آپ سے آپ کا سونا اور منگل سوتر چھینا؟ پرینکا گاندھی کا یہ بہت ہی جائز سوال ہے، اِس سوال میں ایک تسلی بھی ہے کہ آپ سے کبھی بھی آپ کا سونا اور منگل سوتر نہیں چھینا گیا ہے اور نہ ہی کبھی آپ سے آپ کا سونا اور منگل سوتر چھینا جائے گا۔ واضح ہو کہ پی ایم نریندر مودی نے ایک سیاسی ریلی میں تقریر میں کہا تھا کہ اگر کانگریس پارٹی کی حکومت بن گئی تو عورتوں کا منگل سوتر بھی محفوظ نہیں رہے گا۔ بہرحال کانگریس پارٹی ہی وہ واحد پارٹی ہے جس نے ہر نفرت اور تعصب کے خلاف بڑی مضبوطی سے آواز اٹھائی ہے۔

ڈاکٹر محمد وسیم-نئی دہلی

نوٹ: اداراتی صفحے پر شائع مضامین میں مضمون نگاروں کے ذریعہ ظاہر کی گئی آرا ان کی ذاتی ہیں اور ادارہ اس کیلئے کسی طرح سے ذمہ دار نہیں ہے۔

آئینہ

ہوں ہی چپکے سے گزر جاتا ہے بس یوم کتاب
اب کہیں ذکرِ قلم کا نہیں ہوتا ہے
حال اپنا بھی ہے اُردو کی کتابوں جیسا
جن کا کوئی بھی خریدار نہیں ہوتا ہے

تہذیب ابرار

سہارا انڈیا ماس کمیونی کیشن کیلئے پرنٹر و پبلشر **ضیاء قادری** نے سہارا انڈیا ماس کمیونی کیشن پریس C-2,3,4، سیکٹر-11 نوئیڈا میں چھپوا کر اور 705-706، ساتویں منزل، نورنگ ہاؤس، 21 کے جی مارگ، نئی دہلی سے شائع کیا۔
Printed & Published by **Zia Qadri**, on behalf of **Sahara India Mass Communication** and Printed at **Sahara India Mass Communication Press**, C-2, 3, 4, Sector-11, Noida and published at **705-706, VIIth Floor, Navrang House, 21 K.G. Marg, New Delhi**
Editor & Group Editor: **Abdul Majid Nizami** (editor.nizami@gmail.com) Resident Editor: **Md. Fakhre Imam** (fimam16@gmail.com) * ایڈیٹر اینڈ گروپ ایڈیٹر: عبدالماجد نظامی ■ ریزیڈنٹ ایڈیٹر: محمد فخر امام
For Editorial/News: rsahara1@gmail.com ■ **Advertisement (National)**: ■ 9891773434, 9899452476 **Email:**adsahara@gmail.com
www.roznamasahara.com 0120-2598274: سرکولیشن، **0120-2444755,2598419** :ٹیلی فون نمبر نوئیڈا آفس، 011-23352369, 23352368 :ٹیلی فون نمبر دہلی دفتر
* اس شمارہ میں شامل شائع شدہ تمام خبروں کے انتخاب اور ایڈیٹنگ کیلئے ذمہ دار ——— R.N.I. No.71627/99 **Roznama Rashtriya Sahara** (New Delhi) Regd.: UP/BR/GBD-208/2024-2026 ——— شمارہ نمبر: **8877** سال: **24**
روزنامہ راشٹریہ سہارا ○ حب الوطنی ○ فرض شناسی ○ ایثار
ہمیں فخر ہے کہ ہم ہندوستانی ہیں